پاکستان میں عربی زبان کا مستقبل اور اس کی ترویج کیلئے کوششیں

حافظ عبدالرشید اظہر۔ اسلام آباد

محترم جناب مولانا حافظ عبدالرشید اظہر صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ وہ کسی موضوع پر بھی قلم اٹھائیں تو اس کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ دلائل و براہین کے ساتھ خوبصورت استنباط ان کا طرہ امتیاز ہے۔ ان کی تحریر میں عمدہ روانگی اور ایسا تسلسل ہوتا ہے کہ جس سے عام قاری بھی مستفید ہوتا ہے۔ "پاکستان میں عربی زبان کا مستقبل اور اس کی ترویج کیلئے کوششیں" ان کا یہ منفرد مقالہ رابطہ خریجی الجامعات السعودیہ کے اجلاس کیلئے بطور خاص تحریر کیا گیا۔ اس کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر اسے ھدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ (ادارہ ترجمان)

اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور سے ہی غیر عرب مسلمانوں کی عربی زبان سے قلبی محبت و الفت اور اسے سیکھنے کا شوق مقدس مذہبی و دینی فریضہ کی حیثیت اختیار کئے ہوئے ہے۔ پوری اسلامی تاریخ اس کے تسلسل کی گواہ ہے۔ بلکہ اس محبت و شوق میں اضافہ کی رفتار ہمیشہ قابل قدر رہی ہے۔

عربوں کا شوق تعلیم و تدریس عربی بھی اس شوق طلب و حصول سے کبھی کم نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی علوم و فنون اور عربی زبان و ادب کے سر برآوردہ علماء محدثین، مفسرین، فقہا اور ادباء کی فہرست میں عجمی الاصل علماء کمیت و کیفیت دونوں اعتبار سے عرب علماء سے پیچھے نہیں ہیں۔

آئمہ حدیث و سنت میں ابو عبداللہ الامام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ

تعالیٰ امام ابوداؤد السجتانی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام ابوعیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ، فقہاء اسلام میں حضرت حسن بصری اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ۔ ائمہ لغت میں سے عبداللہ بن ابی اسحق، ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ اور علماء نحو میں سے صاحب "الکتاب" سیبویہ اور کسائی کی شخصیتوں کے تذکرہ کے بغیر عربی زبان اور اسلامی ثقافت کی تاریخ مکمل ہی نہیں ہوسکتی۔

اس طلب و حصول کے دوافع اور تعلیم و تدریس کے دواعی پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ماضی سے حال اور حال سے مستقبل میں عربی لغت کی نشر و ترویج کے مواقع بڑھتے رہے ہیں۔ اور یقیناً ہمارے حال کی نسبت مستقبل میں یہاں عربی زبان اپنا دائرہ اثر و نفوذ بڑھا لے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ

عربی کی تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت مین عربوں کا بڑا حصہ ہے۔ دعوت و تبلیغ کے بارے میں کتاب و سنت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے فرامین سب کو معلوم ہیں۔ عربی کی تعلیم دیئے بغیر دعوت و تبلیغ کی ذمہ داریوں سے عہدہ براہونا ناممکن ہے۔ عجمی علماء کی دینی و علمی کاوشوں میں وہ عرب علماء یقیناً برابر کے شریک و سہیم ہیں جن سے تعلیم عربی کا یہ سلسلہ شروع ہوا اور جاری ہوا۔

فہم کتاب و سنت کے اصول و قواعد مرتب و مدون ہوئے تو ان علمی مجموعوں میں بھی معتد بہ حصہ اصول اللغۃ العربیۃ کا آیا۔ بلکہ یہ محنت و کاوش تو اس حد تک بڑھی کہ اس نے فتنہ کی شکل اختیار کرلی حتی کہ بعض کم فہم اور نیم خواندہ انہی لغوی ذخائر کو کتاب اللہ کی تفہیم و تفسیر کیلئے کافی سمجھ بیٹھے اور سنت نبویہ کے بارے میں گستاخانہ روش کا شکار ہو گئے۔

بنظر عمیق دیکھا جائے تو یہ بھی حقیقتاً عربی لغت سے ناواقفیت اور سطحی تعلق کا نتیجہ ہے۔ ورنہ کتاب اللہ کی جدید مصطلحات جو شرعی حقائق اور لغوی مجازات کی حیثیت رکھتی ہے۔ جن سے قدیم جاہلی عربی ادب و لغت نامانوس بلکہ قطعاً ناآشنا ہے کی جو شرح و تفسیر اور توضیح و بیان حامل وحی النبی الکریم علیہ السلام نے وحی کے ذریعے حدیث کی صورت میں امت کو دیئے ہیں۔ سنت سے صرف نظر کر کے ان تک رسائی کیونکر ممکن ہے۔؟

بہرحال یہ علمی و دعوتی ضروریات تھیں جنہوں نے عربی لغت کی تعلیم و تدریس کیلئے عرب علماء کو مجبور کیا اور بحمد اللہ وہ اس ذمہ داری سے بحسن و خوبی عہدہ برا ہوئے۔ اور یہ ضروریات آج بھی کل کی طرح اہم ہیں اور بفضلہ تعالیٰ اہل لغت ان سے مکمل طور پر آگاہ بھی ہیں۔ ان سے اس باب میں کسی غفلت کی توقع نہیں ہے۔

دوسری طرف عجمی مسلمانوں کیلئے عربی زبان کی تحصیل و طلب بھی ہمیشہ مرغوب و محبوب رہی ہے۔ اس کیلئے ماضی میں جن اسباب و عوامل اور دینی و دنیوی دوافع و دواعی نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ مستقبل میں ان کی نوعیت تو مختلف ہو سکتی ہے لیکن ان کے کم ہونے کے امکانات نہیں ہیں۔ آیئے ان اسباب و عوامل پر ایک نظر ڈالیں۔

ا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی زبان عربی ہے مسلمانوں میں جو اللہ اور اس کے رسول کی بے پناہ محبت و الفت پائی جاتی ہے عربی زبان نے بھی اس میں سے وافر حصہ پایا۔ کون ہو سکتا ہے جو اپنے حبیب اور محبوب کی زبان سیکھے اور سمجھے بغیر رہ سکے۔

اللہ کے حضور حاضری دیتے وقت مناجات کیلئے بھی عربی زبان کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اہل ایمان اس روزانہ کئی بار کی حاضری کی زبان سے کیوں کر غفلت برت سکتے ہیں۔

مسلمانوں کے بچے دنیا میں آتے ہی سب سے پہلے عربی کا کلمہ سنتے ہیں۔ اور زندگی کے آخری کلمہ کے بارے میں بھی پیغمبر اسلام علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔

من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ۔ (الحدیث)

۲۔ حفظ قرآن ہمیشہ سے مسلمانوں کی علمی و دینی ثقافت کا لازمی جزو رہا ہے۔ ہمیشہ سے اپنی حد تک سرکاری و نجی ادارے اور شخصیات اس کا بھرپور اہتمام کرتے رہے ہیں۔ اکثر و بیشتر مساجد تحفیظ القرآن کے مدارس ہیں دین دار خاندانوں کے گھر بھی مدارس تحفیظ القرآن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تلاوت کلام پاک عربی زبان سے انس پیدا کرنے اور صحت تلفظ اور حسن ادا میں بے حد مفید ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ مولد و مسکن رسول کریم ﷺ مکہ المکرمہ اور المدینۃ المنورہ مہبط وحی اور مرکز اسلام کے ساتھ مسلمانوں کا قلبی و ذھنی لگاؤ بھی عربی زبان کی ترویج و اشاعت کا بڑا سبب ہے۔ جہاں کی مادری زبان عربی ہے۔ بقول اقبال

اشوا قنا نحو الحجاز نصلت
کحنین مغترب الی الاوطان

۴۔ اگرچہ روایات متکلم فیہ ہیں لیکن مسلمانوں میں یہ تصور بھی عام ہے کہ اہل الجنۃ کی زبان عربی ہوگی۔ ابن القیم فرماتے ہیں۔

ولقد آتی اثر بان لسانهم
بالمنطق العربی خیر لسان
ولکن فی اسناده نظر ففیه
راویان وماھما ثبتان
اعنی العلاء ھو ابن عمرو
ثم یحی الاشعری و ذان معموران

عربی کے ساتھ ربط و تعلق پیدا کرنے کیلئے اس ذہن نے بھی بڑا کام کیا ہے۔

۵۔ مسلمانوں کی تعلیم کا آغاز قرآنی الفاظ کی شناخت اور تلفظ سے ہوتا ہے اور ہر صاحب علم کی منتہیٰ علمی علوم قرآن و حدیث میں تخصص ہے۔ مسلمان قرآن عظیم کی زبان عربی مبین سے کیسے غافل رہ سکتے ہیں جب کہ یہ ان کے دستور حیات سرچشمہ ہدایت کی زبان ہے جو شریعت اسلامیہ کا اساسی منبع و مصدر ہے۔ اور اس کی تفسیر میں تعبیر اور تشریح و توضیح سنت مطہرہ بھی اسی زبان میں ہے۔

حضرات! اعداء الاسلام عربی زبان اور دین اسلام کے مابین اس گہرے ربط و تعلق سے بخوبی آگاہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عربی زبان کے خلاف ہمیشہ معاندانہ اور مخالفانہ رویہ اختیار کیا اور اسے ایک کمزور اور غیر مہذب معاشرے کی مغلق و مشکل زبان کی حیثیت سے متعارف کرایا زبان اور اہل زبان کے درمیان اجنبیت پیدا کرنے کیلئے عربی زبان پر طرح طرح کے حملے کئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ ہمیشہ اہل ایمان کو ان سازشوں سے محفوظ رکھا۔

<u>یریدون لیطفئوا نور الله بافواھھم ویابی الله الا ان یتم نورہ</u>

ولوکرہ الکافرون۔ (سورۃ توبہ۳۲)

دشمنان اسلام کی ان سازشوں سے عربی زبان کا اپنا گھر سرزمین عرب بھی محفوظ نہیں رہا کبھی عامی عربی زبان کا چرچا کیا جاتا ہے اور مستقل باقاعدہ زبان قرار دے کر اس کی تعلیم کیلئے جدوجہد کی گئی تاکہ قرآن حکیم کی عربی معلی ولغہ فصحیٰ سے کسی طرح رشتہ کمزور ہو سکے۔ اور کبھی عربی کی کتابت کیلئے لاطینی حروف اختیار کرنے کی دعوت دی گئی تاکہ مسلمان قرآنی حروف کتابت سے نا آشنا رہیں۔ عربی کے علاوہ مسلمانوں کی دیگر زبانوں کو بھی لاطینی رسم الخط میں ڈھالنے کی کوششیں کی گئیں بلکہ جاری ہیں۔ ان کوششوں کے پیچھے مقصد صرف ایک ہی کارفرما ہے کہ کسی طرح عباد الرحمان کو کلام الرحمان سے دور کیا جا سکے اور پھر کتاب اللہ کے ساتھ من مانی کر سکیں۔

ولا یحیق المکرالسئی الابا ھلہ

ان مؤاخرات کے نتیجے میں اہل ایمان کے دلوں میں کتاب اللہ کی صداقت کے متعلق دہ چند اضافہ ہوا۔ الحمدللہ علی ذلک

انا نحن نزلنا الذکر و انالہ لحافظون

مجھے یقین ہے کہ اسلامی تہذیب و ثقافت کے علمبردار علماء کرام اس حقیقت سے باخبر ہوں گے کہ اہل مغرب یا ان کے تلامذہ اور خوشہ چین مستشرقین کی عربی لغت و ادب کی ترویج و اشاعت اور تعلیم و تدریس کیلئے جملہ مساعی ان سازشوں کا حصہ ہیں۔ جن کے متعلق سادہ لوح مسلمان خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کے مدارس وجامعات اور ہمارے ہاں کے اس نہج کے علمی اداروں میں اس لغہ محبوبہ کو کبھی محبت و احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔ مغربی جامعات میں عربی زبان کے معاھد و کلیات کبھی اپنے طلبہ کے سامنے عربی کو

ایک زندہ زبان کی حیثیت سے پیش نہیں کرتے۔ تاکہ یہ فکر راسخ ہو سکے کہ عربی زبان خانہ بدوش بدوؤں اور بادیہ نشیں امیوں کی زبان ہے۔

علمی و تحقیقی اور سائنسی و فنی ضرورتیں پوری نہیں کر سکتی۔ عالمی رابطے اور ذرائع ابلاغ کے کام نہیں آسکتی۔ ادبی و صحافتی وسعتوں کو اپنے اندر نہیں سمو سکتی۔ وغیرہ وغیرہ۔

میں اپنے قابل صد احترام قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ خود ہمارے ہاں عصری جامعات کے عربی کلیات و تخصصات کا نصاب بھی دینی مقاصد اور قومی اہداف کا حامل نہیں ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے خدوخال نمایاں نہیں کرتا ملت اسلامیہ کا رشتہ اپنے مرکز و مصدر سے مضبوط کرنے کا کام نہیں دیتا۔ کسی بھی اہم جامعہ کے نصاب عربی پر نظر ڈال لیں۔ ادب جاہلی کی شعری و نثری نصوص کے طویل اقتباسات ہوں گے۔ پھر برائے نام اسلامی نصوص ہوں گی اور وہ بھی اکثر و بیشتر منحرفین کا کلام اور پھر ایک طویل سلسلہ الادب الحدیث کا ہوگا اور اسی پر زیادہ توجہ ہوگی اور اس کی تعلیم و تدریس باعث عزت و افتخار سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ اس کے حق میں بڑا زوردار پروپیگنڈا پایا جاتا ہے اور دینی مدارس کے نصاب تعلیم پر قدامت کی پھبتیاں کسی جاتی ہیں۔ جب کہ جدید عربی ادب یورپی زبانوں سے متاثر ہے اور لادین عرب ادیب مغربی اسلوب نگارش کا تتبع کرتے ہیں۔ جو قرآن حکیم سنت مطہرہ کی عربی مبین سے میل نہیں کھاتا۔ اور مسلمانوں کی اخلاقی اقدار کا آئینہ دار بھی نہیں ہے۔ آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ عالم عرب کی اسلامی جامعات میں اس ادب حدیث کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ دور جدید کے عرب ادیبوں اور شاعروں

میں سے بھی انہی کو اہمیت دی جاتی ہے جو اسلوب کتاب و سنت کا تتبع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واضح ہے کہ وہ ادب حدیث کیلئے نہیں بلکہ عربی معلیٰ کے تسلسل کی تدریس ہے۔ مگر یورپی ذرائع ابلاغ اور لادینی عناصر کی گرفت کا نتیجہ ہے کہ طٰہ حسین اور اسی نہج کے دیگر عرب مصنفین ہمارے نصاب کا لازمی حصہ ہیں۔ جب کہ قرآنی اسلوب نگارش کے علمبردار مصلح ادیب اور دسیوں معیاری ادبی کتابوں کے عظیم مصنف مصطفیٰ صادق الرافعی جیسے اصلاحی و دینی ادب کے خالق علماء کو ہمارے عربی کے طلبہ جانتے تک نہیں ہیں۔ یہ جملہ معترضہ تھا جو یہاں شاید بعض احباب کی نظر میں بے محل بھی ہو۔ میرا مقصد اس سے صرف یہ تھا کہ اسلامی ثقافت، دینی علوم اور عربی زبان کے علماء کرام اور فاضل اساتذہ کرام کی توجہ اس اہم مسئلہ کی طرف مبذول ہو سکے تاکہ ہم دینی و اسلامی ادب ولغت کی تعلیم و تدریس کے سلسلے میں کسی معذرت خواہانہ رویہ کا شکار نہ ہوں۔ کتاب و سنت اور ان کے متعلقہ عربی اصول و قواعد کے ثقہ علماء اگر کہانی، ناول اور افسانے کی زبان سے کم واقف ہوں تو یہ قطعاً عیب اور عار نہیں ہے۔ اگر کوئی تمام اصناف سخن سے بہرہ ور ہو تو زہے نصیب۔

۶۔ ان دینی و مذہبی عوامل کے ساتھ کچھ دیگر اسباب بھی ہیں جو عربی زبان کی نشر و اشاعت میں ممد و معاون اور مفید ثابت ہوئے۔ مثلاً

عربی زبان کا ذاتی حسن و جمال، جامعیت و اختصار، قدیم زمانے سے موجود و متوارث اعلیٰ پائے کے نثری و شعری ذخائر، تشبیہ و تمثیل اور استعارہ و کنایہ کے عدیم المثال نمونے اور فصاحت و بلاغت کا وہ معیار جس کی کسی دوسری زبان میں نظیر تلاش کرنا مشکل ہے یہ اور ایسی دیگر بے شمار ذاتی خصوصیات ہیں جو ہر

صاحب ذوق لطیف اور مزاج سلیم کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اسے سیکھے، اس میں مہارت حاصل کرے اگر اسے اپنی مادری زبان پر ترجیح نہیں دے سکتا تو کم از کم اسے اپنی دوسری زبان ضرور قرار دے۔

ب۔ صدیوں تک عالمی قیادت مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہی اور مسلم خلفاء و امراء کی سرکاری و علمی زبان واضح ہے کہ عربی ہی تھی۔ دنیوی ترقی کیلئے عربی اولین زبان کا درجہ رکھتی تھی۔ جو دنیا کی سب بڑی حکمران قوم کی زبان تھی۔ جو جذبہ جہاد سے سرشار فاتح مسلم قوم کی زبان تھی بعض مفتوحہ اقوام نے تو اپنا سب کچھ ترک کر کے اسلامی ثقافت اور عربی زبان کو اپنا لیا اور آج تک عرب اقوام سمجھی جاتی ہیں۔

قارئین کرام

عربی زبان کی ترویج و اشاعت کے یہ اسباب و عوامل آج تک جوں کے توں قائم ہیں اور مستقبل میں بھی ان کے کم ہونے کے امکانات نہیں ہیں۔ بلکہ اب تو کسب معاش کیلئے عرب ممالک کا رخ کرنے والے مزدور بھی اپنے انداز کی عربی بلاتکلف بول لیتے ہیں اور اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر قدرت رکھتے ہیں۔ اگر عربی کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھنے والا طبقہ کوئی منظم جدوجہد کرے اور ہر سطح کے لوگوں میں اس کے لئے کام کیا جائے تو پاکستان میں عربی کا مستقبل خاصہ روشن ہو سکتا ہے۔

ماضی میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے پیش نظر عربی کی تعلیم و تدریس کو صرف مقدس مذہبی فریضہ کی حیثیت حاصل رہی اس کے علاوہ کوئی مالی

منفعت، دنیوی غرض یا سرکاری سرپرستی نظر نہیں آتی۔ جس معاشرے میں بھی عربی کی ترویج اس مقصد کے لئے پیش ہوئی وہاں کے علماء نے اس میں مجتہدانہ بصیرت حاصل کی اور عالم اسلام کو علمی ثروت سے مالامال کیا اور مسلم اقوام کے مابین کبھی نہ مٹنے والے اخوت و مودت کے لازوال رشتے قائم کئے۔

عربی کی تعلیم کئی اغراض کے پیش نظر ہوتی ہے۔ ہر صاحب غرض اپنی ضرورت و حاجت کو پیش نظر رکھ کر زبان سیکھتا ہے اور اپنے متعلقہ شعبہ میں مہارت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے دینی و مذہبی جذبات و اغراض تو اپنی جگہ قائم ہی ہیں اب تو عربوں کی تیل کی دولت کی وجہ سے عربوں اور عربی کے چاہنے والوں میں بہت اضافہ ہو گیا ہے اب تو بہت سارے لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی چاہنے لگے ہیں اور مزدوروں کیلئے عام آدمی کا رحجان عالم عرب کی طرف بہت ہو گیا ہے۔ اس سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے عوامی سطح پر بھی اس کی نشرو ترویج کے لئے کام کیا جاسکتا ہے اور اس سے بہت عمدہ دعوتی مقاصد بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ ریالوں کی کشش سے فائدہ حاصل کر کے قدم قدم پر ملک بھر میں ٹریول ایجنسیاں کام کر سکتی ہیں تو ہم بھی اسی جذبہ کو کام میں لا کر اللہ کی مخلوق کیلئے جنت کے سفر کا اہتمام کیوں نہیں کر سکتے۔

ان اسباب عوامل کے ساتھ ساتھ جن کا ذکر ہوا۔ عربی زبان کی ترویج و اشاعت کیلئے نہایت سنجیدہ اور مخلصانہ مساعی کی بھی ضرورت ہے۔ میں اس اختصار کے ساتھ چند اہم امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو اس میدان میں اصحاب اختصاص اہل علم و ادب کی محنت کا مرکز و محور ہونے چاہئیں۔ جن کے بارے میں غور و فکر اور عملی اقدام کی اشد اور فوری ضرورت ہے۔

اولاً: عملی مواد

سب سے پہلے یہ تعین کرنا ضروری ہے کہ لغت کونسی پڑھائی جائے۔ جیسا کہ پہلے اس کی نشاندہی ہو چکی ہے کہ خود عالم بھی یورپی سازشوں کے نتیجے میں اپنی زبان کے بارے میں کشمکش کا شکار ہے۔ فصحیٰ اور عامیہ کے بارے میں اہل زبان میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ ایک طرف فی الواقع ہی کچھ لوگ قدیم جاہلی دواوین ادب و شعر سے چمٹے ہوئے ہیں اور قدیم کلاسیکی فصیح عربی کو ہی معیاری لغت قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہی فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہے لہذا ان کے خیال میں اسی کی تدریس پر توجہ دی جانی چاہیئے۔ قطع نظر اس سے کہ اس کی کئی تعبیرات نامانوس ہو چکی ہیں۔ بہت سارے الفاظ قلیل الاستعمال بلکہ متروک ہو چکے ہیں۔

دوسری طرف ایک اور گروہ ہے جو اپنی تمام توجہ علاقائی زبانوں پر مرکوز کئے ہوئے اور مقامی لہجوں کی تعلیم و تعلم کا علمبردار ہے اور اسے ہی ادب و لغت کی خدمت قرار دیتا ہے۔ قدیم عربی لغت کے خلاف علم بغاوت بلند کئے ہوئے ہے۔ اب تو عامی اور علاقائی لہجوں کی بہت سی کتب بھی نثر و نظم میں تالیف اور طبع ہو چکی ہیں۔ میری نظر سے بھی بعض اس قسم کی کتابیں گذری ہیں۔ جو بگڑی ہوئی عربی زبان، اور غلط تلفظ و ادا کی تحریری رسید سے زیادہ کچھ نہیں ہیں اور نثری و شعری بے اصولی میں اپنی مثال آپ ہیں۔

جب کہ اس افراط و تفریط کے مابین ایسی لغت کا علمبردار طبقہ بھی موجود ہے۔ جو سب کیلئے قابل فہم و قبول ہو۔ ہر طرح کی ضروریات پیش نظر رکھ کر

ترتیب دی جائے۔ علمی و ادبی حلقوں میں اس کے کئی نام معروف ہیں۔ مثلاً "اللغتہ العربیہ المشترکہ" یا اللغتہ الادبیہ الحدیثہ۔ اللغتہ العربیہ المکتوبتہ۔ اللغتہ العربیہ النموذجیتہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

اور تمام اصطلاحات کا مقصد ایسی لغت کا تعین ہے جو پورے عالم عرب میں تمام عصور میں لکھی، بولی اور پڑھی جاتی رہی ہو اور غیر عرب علماء لغت بھی اس سے مانوس ہوں۔ جو بیک وقت قدیم ترین عربی زبان و ادب سے رابطے کا باعث بھی ہو۔ دینی و اسلامی ورثہ سے تعلق بھی پیدا کر سکے۔ اور دور جدید میں ادب و صحافت اور ابلاغ عامہ کا کام بھی دے سکے ایسی زبان ہی عالمی زندہ و منتشر زبانوں کے ساتھ چل سکتی ہے اور اپنے اہل زبان میں اعتماد پیدا کر سکتی ہے۔

بہرحال ہمیں اپنی ضروریات و حاجات کا جائزہ لے کر سنجیدہ غور و فکر کے بعد مفید و بامقصد تعلیمی پالیسی وضع کر لینی چاہیئے۔ اہل عرب ہمارے مسائل پر غور و فکر میں مشغول اور ہماری قوم کو عربی پڑھانے کی فکر میں ہیں تو ہمیں خود بھی اپنے لسانی مسائل سے نمٹنا چاہیئے اور مشکلات کا حل تلاش کرنا چاہیئے تاکہ جو کچھ پڑھیں پڑھائیں علی وجہ البصیرت ہو اور معاصر عالم اسلام و عرب سے گہرے علمی و ثقافتی رابطے کا کام دے۔ اور امت اسلامیہ کو شریعت اسلامیہ سے قریب تر کر سکے۔ کتاب و سنت کے ساتھ ہمارے ذہنی و قلبی و فکری و عملی رشتے استوار ہوں۔ اور امت وسط ملت واحدہ اور ید واحدہ بن کر دنیا کو اپنے وجود مسعود کا احساس دلا سکے اور پوری انسانیت کی علمی، اخلاقی اور سیاسی قیادت اپنے ہاتھ میں لیکر اصلاح احوال کا اپنا دینی فرض ادا کرنے کے قابل ہو سکے

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن

ثانیاً: عربی مدرسین کی تیاری اور تربیت

دوسرا اہم مسئلہ جس پر توجہ دینے اور کوئی عملی قدم اٹھانے کی ضرورت ہے وہ عربی زبان پڑھانے کیلئے اساتذہ کی تیاری اور تربیت ہے۔ بلاشبہ تعلیم و تدریس میں سب سے اہم عنصر استاذ کی شخصیت ہی ہے۔ کامیاب استاذ کیلئے یہ قطعاً مشکل نہیں ہوتا کہ وہ علمی مواد، مقررہ کتب وغیرہ ذرائع تعلیم میں موجود عیوب و نقائص کی تلافی کر لے۔ لیکن اگر استاذ اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل، مدرسانہ صفات سے متصف اور تدریسی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی مناسب اہلیت نہ رکھتا ہو تو بہتر سے بہتر نصاب تعلیم اعلیٰ سے اعلیٰ کتاب اور خوب سے خوب تر ماحول سب وسائل دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور مطلوبہ اہداف و نتائج کا حصول ممکن نہیں ہو پاتا لہذا تعلیم و تدریس کے اس اہم ترین عنصر کی تیاری اور تربیت کو اولین ترجیح حاصل ہونی چاہیئے۔ مگر افسوس کہ یہ مسئلہ جتنا اہم ہے اس سے اتنی ہی زیادہ غفلت برتی جاتی ہے۔

عربی مدرسین تیار کرنے کیلئے تین مراحل میں باآسانی کام کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ انتخاب

مدارس میں زیر تعلیم طلبہ کا جائزہ لیکر ان میں سے ایسے افراد کا انتخاب جن کی طبیعت ادب و لغت کیلئے موزوں ہو اور ان میں تدریسی ذوق نظر آتا ہو۔ پھر ان کی راہنمائی خصوصاً ادبی و لغوی مواد کی طرف کی جائے۔ عربی زبان کے بڑے شعراء

اور ادیبوں سے ان کو متعارف کرایا جائے۔ محدثین، مفسرین اور فقہاء کی ادبی و لغوی محنت سے ان کو آگاہ کیا جائے تاکہ اسلاف کی عملی کاوشوں کا یہ گوشہ بھی نمایاں ہو سکے۔ لغت کے مختلف موضوعات پر ان سے مقالات لکھوائے جائیں۔ تاکہ اسلامی ثقافت اور عربی ادب میں انہیں بیک وقت رسوخ حاصل ہو۔ عربی رسائل و جرائد پڑھنے کی طرف بھی انہیں توجہ دلائی جائے تاکہ دور حاضر کے بڑے عربی ادیبوں کے اسلوب تحریر سے بھی انس پیدا ہو۔

۲۔ تربیت اور تخصص

اس طرف کئی بار توجہ مبذول کرائی جا چکی ہے اور سبھی اہل علم اور مدارس کے ارباب بست و کشاد کو اس کی اہمیت کا احساس بھی ہے کہ تمام تدریسی مواد کیلئے متخصص اساتذہ کی اس دور میں شدید ترین ضرورت ہے۔ جامع العلوم علماء بیت چکے ہیں، نئی نسل کی ہمتیں کمزور پڑ گئی ہیں۔ زیادہ نہیں تو کم از کم فراغت کے بعد ایک سال ہی تخصص کیلئے رکھ لیا جائے۔ یہی ضرورت عربی زبان کی تعلیم و تدریس کیلئے بھی ہے۔ اگر یہ بھی مشکل ہے اور وقت کی کمی کا مسئلہ ہے تو آخری دو سالوں کو ہی دو تین شعبوں میں تقسیم کر کے کسی حد تک یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور دیگر عرب جامعات میں مختلف کلیات ہیں اور ہمارے ہاں بھی کلیاتی تعلیم میں ہی تخصیص کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس سے کافی حد تک غیر متخصص اساتذہ کی تلافی ہو سکتی ہے۔

۳- تدریب

تیسرا کام پیشہ وارانہ تدریب ہے عربی زبان کی تدریس سے منسلک اساتذہ کرام کیلئے وقتاً فوقتاً تدریبی دوروں کا اہتمام کیا جائے۔ تاکہ انہیں میدان تدریس میں جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ حل کی جائیں اور انہیں طریقہ ہائے تدریس کی مشق کرائی جائے جس کی دوران تعلیم انہیں فرصت نہیں ملی۔ بالخصوص جو لوگ گذشتہ چند سالوں میں حکومت کے سکولوں میں عربی لازمی قرار دینے اور وفاق المدارس کی شہادات پر اساتذہ رکھنے کے بعد بغیر پیشہ وارانہ تربیت کے براہ راست مدرس ہوئے ہیں ان کی تربیت و تدریب کی سخت ضرورت ہے۔ تمام وفاق اور مراکز اپنے اپنے سابق طلبہ کیلئے اس کا اہتمام کرسکتے ہیں۔ اس کے بعد وہ زیادہ اعتماد کے ساتھ اپنی ذمہ داری ادا کرسکیں گے اور ان کے کام کے زیادہ مفید نتائج بر آمد ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

میرے خیال میں آپ جیسے اساطین علم کے تعاون سے تو کلیات کے اساتذہ اور محاضرین کو اعلیٰ پائے کی عربی میں تخصص کا اہتمام بھی کیا جاسکتا ہے۔ تاکہ ان کی نظر نصابی کتب سے بڑھ کر علمی وسعتوں سے آشنا ہوسکے۔ ملک بھر میں پھیلے ہوئے مدارس وجامعات اور معاھد و کلیات کے بے شمار اساتذہ کرام کے تعاون سے راہنمائی لئے اور ان کی راہنمائی کئے بغیر عربی زبان کی تعلیم و ترویج میں کسی خوبصورت انقلاب کی توقع عبث ہوگی۔

ان السفينة لاتجرى على اليبس

ثالثا: نصابی کتب

کسی علمی مادہ کی تدریس میں کتاب کا انتخاب و اختیار بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ عربی زبان کی تدریس اور خصوصاً جو اہل علم غیر عرب طلبہ کی تعلیم و تدریس سے منسلک ہیں۔ ان کے ہاں یہ موضوع خاصی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ اس موضوع پر بعض عرب جامعات میں ندوات بھی منعقد ہو چکے ہیں۔ اور عملاً کئی کتب بھی خاص اسی غرض کیلئے تصنیف ہو چکی ہیں۔ بالخصوص ہمارے دینی مدارس و جامعات کے نصاب تعلیم میں روزمرہ زندگی سے متعلقہ عربی زبان کی طرف کوئی خاص دھیان نہیں دیا گیا۔ رائج الوقت ذرائع ابلاغ سے زبان سیکھنے اور عام تعلیم یافتہ طبقہ کو عربی سے مانوس کرنے اور اس کی تعلیم دینے کیلئے مناسب کوششوں کی ضرورت ہے غیر ثقہ اور غیر معیاری کتب بازار میں وافر تعداد میں میسر ہیں ان کا تدارک معیاری اور ثقہ کتابوں کی تیاری اور انہیں عام کر کے ہی کیا جاسکتا ہے۔

عرب جامعات سے رابطہ کر کے ان کے تجربات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ بالخصوص جامعہ ریاض کے معہد اللغتہ اور جامعہ ام القریٰ مکہ المکرمہ کے مرکز اللغہ سے رابطہ ضروری ہے جہاں غیر عرب طلبہ کو عربی پڑھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جامعہ خرطوم سوڈان کی مساعی بھی اس سلسلے میں قابل قدر اور لائق استفادہ ہیں۔ بہر حال ہمیں نصابی کتب تیار یا اختیار کرتے وقت عربی ادب میں اسلامی تصور کی تلاش و تدوین اور اس کے ساتھ ساتھ دور حاضر کے طالب علم کی روزمرہ ضروریات اور تعلیمی نفسیات کو پیش نظر رکھنا ہو گا۔

رابعاً: مختصر کورسوں کے ذریعے تعلیم

مختصر تعلیمی و ثقافتی دوروں کا رواج پوری دنیا میں ہے۔ ہمارے ہاں بھی مختلف زبانوں اور ثقافتوں کی ترویج و اشاعت کیلئے ان کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ حسب امکان و ضرورت ان کی مدت مقرر کی جاتی ہے۔ ہمارے بڑے اداروں کو بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں مختصر دورانیے کی ورکشاپیں ہوتی رہتیں ہیں۔ ہمارے مدارس میں بعض مقامات پر دورہ تفسیر کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس کے مفید نتائج بھی برآمد ہوتے ہیں۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ بھی کئی سال تک پاکستان کے مختلف شہروں میں اس کا انتظام کرتی رہی ہے۔ ان تدریسی دوروں میں بھی شرکاء کے قیام و طعام کا انتظام مقامی ادارے ہی کرتے رہے ہیں۔ تو پھر انہی پر کیوں انحصار کیا جائے۔ جامعہ سلفیہ جیسے بڑے اور صاحب استطاعت اداروں کو اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھانا چاہیئے۔ اس کے ذریعے چھوٹے دینی مدارس اور سکولوں کے اساتذہ کو تربیت دی جا سکتی ہے۔ عام تعلیم یافتہ طبقے اور دیگر شعبوں کے طلبہ کیلئے اس میں کشش پیدا کی جا سکتی ہے۔

علاوہ ازیں بھی عربی کی ترویج کیلئے کام کی بہت ساری راہیں نکل سکتی ہیں۔ آغاز ہو جائے تو اللہ کریم اپنے فضل و کرم سے خود ہی کئی راستے پیدا فرما دے گا۔ بہرحال ہمیں مقصد اور ہدف کا تعین کر کے اس کے حصول کیلئے اپنے وسائل کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیکر طریق کار وضع کر لینا چاہیئے۔

والله الهادى الى سواء السبيل